کتاب وسنت کے باہمی تعلق میں ابن قیم رحمہ اللہ کا نقطۂ نگاہ

Ibn Qayyim's View on the Relationship of Quran and the Sunnah

Hafiz Farhan Arshad
Ph. D Scholar, GIFT University, Gujranwala:
farhanarshad850@gmail.com
Hafiz Mahmood Akhtar
Head of Department of Islamic Studies, GIFT University, Gujranwala:
hafizmahmoodakhtar@gift.edu.pk

Abstract:

Islam is a complete code of law and life. It has two basic sources and foundations: the Qur'an and the Sunnah. It is the clear fountain from which religious issues and the teachings of Islam are derived. The Holy Qur'an is a book based on Allah's principles and rules, and for the sake of explaining these principles, Allah has inspired His last Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him). If Islam is based solely on Qur'an, then many rules cannot be practised in religion. For example, the Qur'an has ordered to establish prayer but did not mention its times and procedures and all other details. We have to consult the Sunnah of Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) for the explanation and interpretation of this important pillar of Islam. In this article the views of Ibn Qayyim have been discussed and analyzed. In this regard, Ibn Qayyim has recorded his opinion that the Sunnah cannot be separated from The Holy Qur'an in any case. He has categorized the hadiths into three types in relation with Qur'an. These three types have been discussed in this article with detail.

Keywords: Islam, Quran, Hadith, Sunnah, Interpretation, Inheritance

اللہ تعالی نے انسان کی تخلیق فرما کر اسے اس دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے اور اس کی رہنمائی کے لئے وحی کے ساتھ ساتھ پیغمبروں کی بعثت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والے اس دین کی تکمیل حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ کی گئی جسے اسلام کا نام دیا گیا ہے۔ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اس میں راہ نمائی موجود ہے۔ شریعت اسلامی کے بنیادی دو مصادر ہیں: القرآن جسے کتاب اللہ کہا جاتا ہے اور دوسرا سنت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے: تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ "[1] یعنی میں تمھارے پاس دو اساس چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک تمہارا تعلق ان دونوں کے ساتھ استوار رہے گا تب تک تم ہدایت پر رہو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسرا اس کے نبی کی سنت"۔

رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ان مصادر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ان مصادر سے ہمیں دینی مسائل واحکام اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں ہر طرح سے راہ نمائی ملتی ہے۔کتاب اللہ قوانین کا مجموعہ اور اسلامی طرز زندگی کے قواعد پر مشتمل ہے اور سنّت رسول ﷺ ان مجمل قوانین کی تفصیل اور مبہم مسائل کی توضیح کرتی ہے۔ خود قرآن مجید نے اس حقیقت کو بیان فرمایاہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ [2]

"اور ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت فرمادیں جو ان کی طرف اتارا گیاہے"۔

چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کی وہی تفسیر و توضیح قابلِ اعتماد و متصور ہو گی جو ناطق وحی ﷺ سے منقول ہو گی اور اگر سنت و حدیث کو کتاب اللہ سے جدا کر دیا جائے تو قرآن مجید مکمل ضابطہ حیات نہیں رہ پائے گا۔کتاب اللہ اصول و قوانین پر مبنی کتاب ہے اور ان اصولوں کی تبیین ووضاحت کے لیے باری تعالیٰ نے اپنے آخر الزماں پیغمبر ﷺ کو مبعوث فرمایا۔اگر قرآن مجید دین اسلام کی مکمل تبیین کرتا ہوتا تو ناطق وحی کی بعثت و نبوت کی قطعا ضرورت نہ تھی۔اگر کتاب اللہ پر ہی کامل انحصار کیا جائے تو دین کے بہت سے احکام پر عمل نہیں ہو سکتا۔مثلاً قرآن مجید نے نماز کے قائم کرنے کا حکم دیاہے مگر اس کے اوقات اور طریقہ کار اور اس سے متعلق مکمل مسائل کا ذکر کہیں نہیں کیا۔اس دین کے اہم رکن کی توضیح و تفسیر کے لیے ہمیں سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔اسی طرح زکوٰۃ کا معاملہ ہے جس کا حکم تو کتاب اللہ میں موجود ہے مگر اس سے متعلق احکام و مسائل کے لیے ہم سنت کے محتاج ہیں۔علیٰ ہذا القیاس دین اسلام کے بہت سے امور ایسے ہیں جن کے اصول تو کتاب اللہ نے بیان فرمائے ہیں مگر

---

[1]۔مالک بن انس، المؤطاء، کتاب القدر، باب نہی عن قول بالقدر، دار احیاء الکتب العربیۃ، ت ن، بیروت، ص ۶۸

[2] النحل 44:16

وضاحت و تفسیر کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے۔اس کی تشریح اور وضاحت کے لیے ہم سنتِ رسول کے محتاج ہیں اور ان مسائل کی توضیح و تشریح سنتِ رسول ﷺ کے بغیر ناممکن ہے۔

یہ بات تو مبنی بر حقیقت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ قرآن مجید کے مطالب و مفاہیم کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ چنانچہ حضرت مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں، سنت کی اہمیت کو یوں واضح فرماتے ہیں کہ بخدا! ہم قرآن کے عوض کوئی دوسری چیز نہیں لانا چاہتے بلکہ ہم تو صرف یہی چاہتے ہیں کہ اس ہستی کی طرف رجوع کریں جو سب سے زیادہ قرآن کے معانی و مفاہیم کو جاننے والی ہے۔[3]

اس اہم ترین عنوان پر ہر دور کے اہل علم و قلم نے اپنے اپنے انداز میں بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔

امام شاطبیؒ کا نقطہ

سنّت کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے امام شاطبی رقمطراز ہیں: قرآنی دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ شریعت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے اور آپ کے تمام اوامر و نواہی قرآنی احکام کے ساتھ ملحق ہیں اس لیے ان کا قرآن سے زائد احکام پر مشتمل ہونا ناگزیر ہے۔[4]

الغرض جس طرح کتاب اللہ منزل من اللہ ہے، اسی طرح حدیث و سنت صحیحہ بھی منزل من اللہ ہے۔ کتاب و سنت کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے بلکہ یہ لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسری نامکمل ہے۔اس بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

امام شافعیؒ کا نقطہ

امام شافعی رحمہ اللہ نے "الرسالۃ" میں اس موضوع کو ان جہتوں سے واضح کیا ہے:

کتاب و سنت دونوں من جانب اللہ ہیں ان میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا، سنت کتاب اللہ کے اجمال کی تفصیل کرتی ہے، سنت ہر طرح کے عام کی وضاحت کرتی ہے جو قرآن کے حوالہ سے عام ہو اور جو ہو تو عام لیکن باری تعالیٰ کی اس سے خاص مراد ہو، کچھ فرائض ایسے ہیں جو ثابت تو قرآن کریم سے ہیں لیکن سنت ان کے احکام میں اضافہ کرتی ہے، کتاب اللہ کا نسخ کتاب اللہ سے ہی ہو سکتا ہے، سنت سے نہیں، سنت کا نسخ سنت سے ہی ہو سکتا ہے،

---

[3] شاطبی، ابو اسحاق، ابرہیم بن موسی، الموافقات، دار ابن عفان، ج:4، ص:26

[4] ایضاً

کتاب اللہ سے نہیں، قرآن کا عام اپنے حکم میں محکم اور قطعی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے۔ اخبار آحاد سے قرآن کے عام کی تخصیص ہو سکتی ہے۔[5]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کے ہاں بھی سنّت کا قرآن کے ساتھ بہت ہی گہرا تعلق ہے، سنّت کے بغیر قرآن کریم کا سمجھنا ناممکن ہے اور سنّت کے بغیر قرآن کریم کے احکامات پر عمل پیرا ہونا بھی کسی صورت میں ممکن نہیں۔ اگر امام ابن حزم ظاہری کی رائے کو دیکھا جائے تو یہ بات اور نکھر کر سامنے آتی ہے۔ اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

ابن حزم ظاہری

ابن حزم ظاہری نے اپنی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں کتاب وسنت کو ان جہتوں سے واضح کیا ہے۔ ابن حزم کتاب اللہ وسنت کو مقام ومرتبہ میں مساوی مانتے ہیں، ابن حزم کے ہاں خبر واحد سے حاصل ہونے والا علم یقینی ہوتا ہے، خبر واحد سے کتاب اللہ کے عام کی تخصیص کرنا درست ہے، کتاب وسنت کا کبھی بھی آپس میں تعارض نہیں ہو سکتا، اگر بظاہر کبھی تعارض ہو بھی جائے تو ان میں تطبیق دی جائے گی کسی ایک کو بھی رد نہیں کیا جائے گا، اگر تطبیق بھی ممکن نہ ہو تو ان میں سے ایک کو ناسخ دوسری کو منسوخ ماننا پڑے گا، اگر تقدیم وتاخیر کا بھی علم نہ ہو تو کسی کو ناسخ ومنسوخ قرار نہیں دیا جا سکتا، ناسخ کے علم نہ ہونے کی صورت میں کسی ایسی تیسری نص کی طرف رجوع کیا جائے گا جو اس بارے میں کسی نئے حکم کی طرف دلالت کرے تو اس نئے حکم پر عمل کیا جائے گا۔[6]

امام ابن حزم کے اس بیان سے بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی صورت میں بھی ہم سنّت کا تعلق کتاب اللہ سے ختم نہیں کر سکتے۔

ابن قیم کا مختصر تعارف

علامہ ابن قیم 691ھ میں پیدا ہوئے آپ کا پورا نام محمد بن ابو بکر بن ایوب بن سعد حریز الزرعی الدمشقی شمس الدین ابن قیم الجوزیہ ہے۔ ان کے نام کے ساتھ "الجوزیہ" لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جوزیہ ایک مدرسہ کا نام تھا جو امام ابن جوزی نے قائم کیا تھا۔ آپ کے والد محترم اس مدرسہ میں قیم، نگران اور ناظم تھے جس بنا پر آپ "ابن قیم

---

[5] شافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ، طبع حلبی، ص:33

[6]۔ ابن حزم، ابو محمد، علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الحدیث، القاہرہ، ج:2، ص:35

الجوزیہ" کے نام سے مشہور ہوگئے، علامہ ابن قیم خود بھی ایک عرصہ تک اس مدرسہ سے منسلک رہے، اپنے علوم وفنون کی تعلیم وتربیت اسی مدرسہ سے حاصل کی اور دوسرے کئی علماء سے استفادہ کیا جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نام سب سے اہم اور قابل ذکر ہے۔ علامہ ابن قیم فن تفسیر میں اپنا جواب آپ تھے اور حدیث اور فقہ میں نہایت گہری نظر رکھتے تھے، استنباط واستخراج مسائل میں کمال کی دسترس حاصل تھی اور آپ ایک ماہر طبیب بھی تھے۔ علمائے طب کا بیان ہے کہ علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب "طب نبوی" میں جو طبی فوائد اور نادر تجربات پیش کیے ہیں، وہ طبی دنیامیں ان کی طرف سے ایک ایسا اضافہ ہے کہ طب کی تاریخ میں ہمیشہ یادرکھیں جائیں گے۔ قاضی برہان الدین کا بیان ہے کہ: "اس آسمان کے نیچے کوئی بھی ان سے زیادہ وسیع العلم نہ تھا۔" علامہ ابن قیم کے ہم سبق حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں "ابن القیم نے حدیث کی سماعت کی اور زندگی بھر علمی مشغلہ میں مصروف رہے، انہیں متعدد علوم میں کمال حاصل تھا۔ خاص طور پر علم تفسیر اور حدیث وغیرہ میں غیر معمولی دسترس حاصل تھی، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یگانہ روزگار بن گئے۔" علامہ ابن قیم نے مختلف علوم وفنون پر بہت ہی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں فکر کی گہرائی، قوت استدلال مکمل طور پر نمایاں ہے۔ "زاد المعاد" آپ کی مشہور ومعروف تصنیف ہے جو کہ اسلامی شرعی مسائل حل کرنے میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ آپ کی وفات 751ھ میں ہوئی۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا نقطہ نگاہ

کتاب وسنت کے باہمی تعلق ومرتبہ کے بارے میں امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث نبوی کسی صورت میں قرآن کی معارض ومقابل نہیں ہو سکتی، کتاب وسنت کا کسی بھی صورت میں آپس میں تعارض نہیں ہو سکتا، سنت تین طریقوں سے کتاب اللہ سے تعلق رکھتی ہے کبھی بھی کتاب اللہ کا تعلق سنت سے ان تین اقسام سے جدا نہیں ہوتا، امام ابن قیم کے ہاں خبر واحد سے قرآن کی تخصیص درست ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ کے ہاں سنت زائد عن القرآن ہو سکتی ہے۔

ان اقسام کی توضیح کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

اول: أن تكون موافقة له من كل وجه؛ فيكون توارد القرآن والسنة على الحكم الواحد من باب توارد الأدلة وتظاهرها

پہلی قسم یہ ہے کہ سنت ہر لحاظ سے قرآن کے موافق ہوگی، گویا قرآن اور سنت کا ایک ہی حکم پر جمع ہونا یہ ادلہ کے توارد کے باب سے ہوگا۔

دوم: أن تکون بیانا لما أرید بالقرآن وتفسیرا له[7]

دوسرا یہ کہ سنت قرآن کی تبیین وتشریح ہو۔

سوم: أن تکون موجبة لحکم سکت القرآن عن ایجابه أو محرمة لما سکت عن تحریمه[8]

تیسرا یہ کہ سنت سے ایسے حکم کا وجوب معلوم ہوتا ہو جس سے قرآن خاموش ہے یا اس چیز کی حرمت ثابت ہوتی ہو جسے قرآن نے حرام قرار نہیں دیا۔

ان تین اقسام کے ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس بات کو واضح طور پر ذکر کرتے ہیں کہ سنت کی ان تین اقسام کے علاوہ چوتھی قسم کوئی نہیں لہذا سنت کا کتاب اللہ کے معارض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ وہ سنت جس میں کتاب اللہ سے بڑھ کر کسی حکم کو ثابت کیا گیا ہو یا کسی حکم کی نفی کی گئی ہو تو وہ سنت کتاب اللہ کے معارض ومقابل ہر گز نہ ہوگی بلکہ وہ الگ مستقل طور پر ایسا حکم ہے جس کو آپ نے شرعی طور پر بیان کیا ہے لہذا اس حکم پر عمل کرنا واجب الاطاعت ہوگا؛ اس لیے کہ قرآن کریم میں حکم ربانی ہے:

مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ[9]

جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں پیغمبر ﷺ کی اطاعت اور ان کے ہر فرمان کی پیروی کو لازم قرار دیا گیا ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ کو اطاعت باری تعالیٰ قرار دیا گیا ہے لہذا آپ ﷺ جس چیز کا حکم دیں گے ہمارے لیے اس کی پیروی کرنا لازم ہوگی اور اس کی نافرمانی کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہوگی۔

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن قیم اپنی کتاب الطرق الحکمیہ میں رقم کرتے ہیں:

"ہر مسلم کو یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ احادیث صحیحہ میں سے کوئی حدیث بھی کتاب اللہ کے معارض نہیں ہو سکتی، بلکہ کتاب وسنت کا باہمی تعلق تین طرح کا ہے"۔[10]

---

[7]۔ ابن حزم، ابو محمد، علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الحدیث، القاهرہ، ج:2، ص:35

[8] ایضا

[9] النساء، 4:80

[10] ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، دار لبنان ج:1، ص:72

اول: کتاب اللہ میں جو احکام مذکور ہیں احادیث ان کی تائید و تثبیت کرتی ہیں۔

دوم: وہ احادیث جو کتاب اللہ کی شارح و ترجمان، اس کے مفہوم کو واضح کرنے والی اور اس کے مطلق احکام کو مقیّد کرنے والی ہیں۔

سوم: وہ سنن رسول جو ایسے احکام کو شامل ہیں جن کے ذکر کرنے سے قرآن خاموش ہے۔

قرآن کریم کی آیت کریمہ "اَطِیعُو ا اللہَ وَاَطِیعُو االرَّسُولَ"[11] اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ کی تشریح میں امام ابن قیم رقم طراز ہیں کہ:

"احادیث کے ذخیرہ پر نظر ڈالنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض احادیث میں بعینہ وہ احکام مذکور ہوتے ہیں جو قرآن مجید کی آیات میں مذکور ہوتے ہیں، اور بعض احادیث میں قرآن مجید کی کسی مجمل مرادیا قرآن مجید کے کسی لفظ کی تعبیر مذکور ہوتی ہے اور ان دونوں قسموں کی حدیث کی اطاعت میں رسول اللہ کی اطاعت کا کوئی مفہوم ادا نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ اگر اس قسم کی احادیث نہ ہوتیں، تب بھی وہ احکام واجب الاطاعت تھے، کیونکہ وہ قرآن مجید میں مذکور ہو چکے تھے اور وہ سب "اطیعواللہ " کے تحت داخل ہیں اور بعض احادیث وہ ہیں جن میں وجوب اور حرمت کے ایسے احکام ذکر کیے جاتے ہیں جن کے وجوب اور حرمت کے بیان سے قرآن مجید نے سکوت فرمایا ہے، انہی احادیث کے ایسے احکام کی ضروری اطاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "اطیعو ا الرسول" کا حکم بار بار دیا ہے۔ اگر احادیث کے ایسے احکام کی اطاعت "جن سے قرآن مجید کی آیات خاموش ہیں" واجب نہ ہو تو پھر رسو ل اللہ ﷺ کی اطاعت کا کوئی خاص مصداق ثابت نہیں ہوتا "اَطِیعُو ا اللہَ وَاَطِیعُو االرَّسُول" کی پوری آیت پر اس وقت عمل ہو سکتا ہے جب کہ کتاب کی طرح اور کتاب کے ساتھ ساتھ سنت کی اطاعت کی جائے۔[12]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی اس عبارت کو توجہ سے پڑھا جائے تو اس عبارت سے کتاب و سنت کے باہمی تعلق کی تین صورتیں سامنے آتی ہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ احادیث کی ان تین اقسام کو ذکر کرنے کے بعد مکمل طور پر دلائل کی روشنی میں ان کے احکام کو واضح کرتے ہیں کہ ہم احادیث کی ان تین اقسام میں سے کسی ایک کی بھی تردید

[11] النور54:24

[12] ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1411ھ، ج:2، ص:232

نہیں کر سکتے، جس طرح ہم ان تین میں سے کسی ایک کی تردید نہیں کر سکتے، اسی طرح احادیث کی ان تین اقسام کے علاوہ کسی اور کو تسلیم بھی نہیں کر سکتے۔

قرآن کریم وحدیث رسول کریم کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو دونوں براہین قاطعہ سے بھی اس امر کی شھادت ملتی ہے کہ کوئی سنت صحیحہ قرآن کی معارض نہیں ہو سکتی۔ سنت کا کتاب اللہ کے معارض ہونا ویسے بھی یہ ایسی بات ہے جو بظاہر عقل کے بھی خلاف ہے؛ اس لیے کہ آنحضور ﷺ خود ہی مفسّر قرآن تھے قرآن آپ ہی پر اترا ،اور آپ کو اس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے:

اِتّبِع مَااُوحِیَ الَیکَ مِن رَبّکَ [13]

اور آپ اتباع کرتے رہیے جو آپ کی طرف آپ کا رب وحی کر رہا ہے۔

قرآن کے مفاہیم و معانی کے سب سے بڑے عالم بھی خود نبی اکرم ﷺ ہیں۔ اگر ظاہر تعارض کو لے کر احادیث کا رد کرنا شروع کیا جاتا تو اب تک بہت ساری احادیث نبویہ ﷺ پر عمل باقی نہ رہتا اور بہت سارے فرامین بے کار ہو کر رہ جاتے یہاں تک کہ جس شخص کو بھی اس کے کسی قبیح فعل سے سنت صحیحہ کی روشنی میں مطلع کیا جاتا تو وہ یہ کہہ کر سنت صحیحہ کی تردید کر دیتا کہ یہ تو قرآن کے عموم کے خلاف ہے یا یہ قرآن کے مطلق کی تقیید کر رہی ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض بے دین، ملحد حضرات تو احادیث متواترہ "جن کے قطعی ہونے پر محققین کا اجماع ہے" اس کو بھی رد کرنے میں اس حربہ کو استعمال کر چکے ہیں، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس کے نظائر پیش کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں کہ:

بعض لوگ حدیث صحیح "لا نُورِثُ مَاتَرَکْنَافھو صدقة" [14]

ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

اور اس بارے میں ان کا باطل خیال ہے کہ یہ حدیث قرآن کی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے:

---

[13] الانعام 74:6

[14] امام مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، لانُورِثُ مَاتَرَکْنَافھو صدقة، رقم الحدیث 1760

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ۔"[15]

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتے ہیں۔

اس حربے کو استعمال کرتے ہوئے فرقہ جہمیہ نے بہت ساری احادیث کو پس پشت ڈال دیا اور ان کی تردید کی۔ خاص طور پر وہ احادیث جو صفات باری تعالیٰ پر ہیں؛ اس لیے کہ ان کی گمان باطل کے مطابق وہ روایات قرآن کی آیت کریمہ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ"[16] (کہ اس کی مثل کوئی نہیں) اس آیت کریمہ کے خلاف ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جہمیہ اس حربہ کا استعمال کرتے ہوئے کہ حدیث کا کتاب اللہ سے تعارض ہوتا ہے ان تمام روایات کو بھی رد کر دیتے ہیں جو رویت باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں اس مسئلہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث کو کثرت اور صحت کے باوجود رد کر دیتے ہیں اور اس بارے میں دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ یہ احادیث قرآنی آیت "لا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَار"[17] "کوئی آنکھ بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتی" کے ظاہری مفہوم کے معارض ہیں۔[18]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے ان بیانات کی روشنی میں کتاب وسنت کے باہمی ربط وتعلق کے بارے میں ان کا نظریہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ان کے ہاں کتاب وسنت کا باہمی ربط وتعلق احادیث کی تین اقسام میں محدود ہے ان میں سے نہ تو کسی ایک کی تردید کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی ایک کا اس میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کے ہاں کسی حدیث کو صرف اس بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے اس لیے کہ رسول کریم ﷺ قرآن کے مفسر ہیں اور آپ ﷺ سے کسی بھی صورت میں ایسی غفلت کا وہم نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کی کس آیت سے رب العالمین کی کیا مراد ہے، کس آیت کریمہ سے کیا مطلوب ہے، اور کس آیت کا کیا مقصود ہے، ان تمام مطلوب ومقصود کو سب سے بہتر جاننے والی ذات بھی تو آپ ﷺ کی ہی ہے۔ اگر صرف اسی بنیاد پر احادیث کو رد کرنا شروع کر دیا گیا کہ یہ حدیث کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے تو بہت ساری احادیث صحیحہ کے متروک ہونے کا دروازہ کھل جائے گا اور بہت ساری احادیث متواترہ مردود ہو کر رہ جائیں گی جیسے بعض لوگوں

---

[15] النساء4:11

[16] الشوریٰ42:11

[17] الانعام6:103

[18] ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الطرق الحکمیہ، دار لبنان، ج:1، ص:83

نے اس حربہ کا استعمال کرتے ہوئے، اسی قیل وقال کے پیش نظر مذکورہ حدیث کو نظر انداز کر دیا اور اسی طرح جہمیہ نے احادیث صفات کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ قرآن کے ظاہر سے متصادم ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا اس بارے میں نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی حدیث ظاہر میں قرآن کے عام کے معارض ہو بھی جائے تو پھر بھی یہ قابل حجت ہے اس سے استدلال کیا جائے گا اور شریعت میں اس کو حجت تسلیم کیا جائے گا، کسی بھی صورت میں وہ متروک العمل نہ ہو گی۔

تفصیلِ مجمل

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نقطہ کے مطابق جن تین صورتوں میں سنت کا کتاب اللہ سے تعلق وربط ہے ان میں سے وہ دوسری قسم کا ذکر کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں کہ اگر ہم اس کی تردید کریں گے تو بہت ساری آیات قرآنیہ کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے؛ اس لیے کہ قرآن کریم میں ایک چیز کا مجمل حکم دے دیا جاتا ہے کہ اس پر عمل کرو لیکن اس پر عمل کرنے کی نوعیت کیا ہے، کس طریقہ سے اس پر عمل کرنا ہے، اس عمل کا وقت کون سا ہے، اس کی تحدید کیا ہے اس کا کچھ ذکر نہیں ہوتا تو سنت نبویہ ہمارے سامنے ان تمام امور کو واضح کر دیتی ہے، جن کا حکم تقاضا کر رہا ہوتا ہے۔

اس کے نظائر پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس امر کا ذکر کیا ہے جس پر دن میں پانچ مرتبہ عمل پیرا ہونا ہر مسلمان پر لازم ہے اگر وہ اس کو ترک کرتا ہے تو وہ سخت گناہ گار ہے۔ مثلاً خداوند تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر نماز کا حکم دیا مگر کس وقت کون سی نماز ادا کرنی ہے اور کتنی رکعات ادا کرنی ہے یا نماز کے جو دیگر فرائض، سنن، واجبات ہیں قرآن مجید میں مکمل وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر نہیں ملتا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی سنت نے ان امور کو ہمارے لیے واضح کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"صَلُّوْا كَما رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّي۔"[19] ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو۔

اسی طرح جو لوگ استطاعت رکھتے ہیں قرآن مجید میں ان لوگوں کے لیے حج کو فرض قرار دے دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا[20]

---

[19] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اذان المسافر، رقم الحدیث 631

[20] ال عمران 97:3

اور لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے حج کو لازمی قرار دیا جو اس راہ کی استطاعت رکھتے ہیں۔

لیکن مناسک حج کہ حج کس طرح ادا کرنا ہے کون سے اذکار اس میں ضروری ہیں، کن افعال کی پابندی کرنی ہے، انسان کی حالت کیا ہونی چاہیے قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ سنت نے آکر اس کمی کو پورا کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا:

"لتاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ۔"[21] مناسک حج مجھ سے سیکھو۔

اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت قرآن میں مذکور ہے لیکن کن اشیا میں زکوۃ ہے اور کتنی ہے ان کا ذکر نہیں ملتا۔ سنت مطہرہ نے آکر ان جملہ امور کو واضح کر دیا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کی دیگر مثالیں بھی ذکر کی ہیں ان کے ذکر کرنے کے بعد اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ اگر ہم سنت کی اس قسم کا انکار کریں گے اور اس کی تردید کرنا شروع کر دیں تو ایک زمانہ آئے گا اس پر عمل بالکل ختم ہو جائے گا اور بہت ساری قرآنی آیات اپنے حکم میں مبہم ہو جائیں گی اور ہر کوئی اپنی خواہش کے مطابق ان کی شرح و تفصیل کرنے لگے گا۔ لہذا جو درجہ کتاب اللہ کا ہے وہی مرتبہ اس سنت مطہرہ کا ہے۔

عام کی تخصیص

امام ابن قیم کے ہاں جس طرح سنت مطہرہ کی دوسری قسم قرآن کی تشریح و توضیح کرتی ہے اسی طرح کبھی قرآن مجید میں کسی چیز کا حکم عام ہوتا ہے، سنت آکر اس کی تخصیص کر دیتی ہے یا وہ حکم مطلق ذکر ہوتا ہے، سنت آکر اس کی تقیید کر دیتی ہے۔ تو اگر سنت کا انکار صرف اس وہم پر کرنا شروع کر دیا جائے کہ یہ تو ظاہری طور پر کتاب اللہ کے معارض ہے تو بہت سے احکام الہیہ میں ہم گمراہ ہو جائیں گے؛ اس لیے کہ وہ کسی بھی طرح سنت مطہرہ کے علاوہ سمجھ میں آ ہی نہیں سکتے۔ اس کی نظائر پیش کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں:[22]

وراثت کا مسئلہ:

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ "[23]

---

[21] امام مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی الجمرة، رقم الحدیث 1297

[22] ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1411ھ، ج:2، ص:228

[23] النساء 11:4

اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم فرماتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد اپنے والد کی وارث ہے۔اب یہ آیت اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل عام ہے جو ہر باپ اور ہر بیٹے کو شامل ہے اور اس میں کوئی استثناء موجود نہیں۔لیکن آپ ﷺ کے فرمان نے اس عام کو خاص کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا:

"لا نُورِثُ مَاتَرَكْنَافهو صدقه"[24]

ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

اسی طرح وارث کے متعلق وضاحت کر دی کہ وہ میت کا قاتل نہ ہو اگر میت کو اس نے قتل کیا ہے تو پھر اس کی وراثت سے اس کا کچھ حصہ نہ ہو گا؛ کیونکہ قاتل کسی بھی صورت میں وارث نہیں بن سکتا؛ اس لیے کہ آپ ﷺ کا اس بارے میں ارشاد ہے:

"لايَرِثُ الْقَاتِلُ"[25] قاتل وارث نہیں بن سکتا۔

پھر سنت مطہرہ نے آکر اس کی مزید تخصیص کر دی کہ میت اور وارث کا مذہب بھی ایک ہو کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا مثلاً اگر باپ کافر تھا اور بیٹا مسلمان یا اس کے برعکس تو بھی یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا:

"لا يرث المسلم الكافر[26] کہ کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔

تو اس حدیث نے آکر مذہب کی بھی تخصیص کر دی۔ تو آپ ﷺ کے ان فرامین نے قرآن کی آیت کریمہ کی تخصیص کر دی جس میں اولاد کے لیے عام وارث ہونے کا حکم مذکور تھا۔

نکاح کا مسئلہ

اسی طرح قرآن کا یہ حکم عام ہے:

---

[24] مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب قول النبی ﷺ لا نُورِثُ ماتَرَكْنَا فهو صدقة، رقم الحدیث 176

[25] احمد بن حنبل، مسند احمد، مسند عمر بن خطاب، رقم الحدیث 346

[26] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم الکافر، رقم الحدیث 6764

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ"[27] (اس کے ماسوا دیگر عورتیں حلال ہیں)۔

جن عورتوں سے انسان نکاح نہیں کر سکتا جو اس کے لیے ہمیشہ حرام ہیں ان محرمات کا ذکر کرنے کے بعد قرآن نے عام اعلان کر دیا کہ ان کے علاوہ جن عورتوں سے چاہو، نکاح کر سکتے ہو، ان کے علاوہ کسی اور عورت سے نکاح کرنا تمہارے لیے حرام نہیں۔ اب مذکورہ آیت میں محرمات کے علاوہ یہ حکم عام تھا کہ ان کے علاوہ جس سے چاہو نکاح کرو۔ لیکن حدیث نبوی نے اس عموم کی بھی تخصیص کر دی۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب[28] (کہ دودھ سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسباً حرام ہوں)

حالانکہ قرآن میں یہ مذکور نہیں۔ پھر آپ ﷺ کے ایک اور فرمان نے مزید اس کی تخصیص کر دی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: لا تنکح المرأة علی عمتہا ولا علی خالتہا[29] (کہ خالہ، بھانجی اور پھوپھی، بھتیجی دونوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں مرد نکاح نہیں کر سکتا) کیونکہ اس طرح نسبی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ آیت میں جو عموم پایا جاتا تھا ان احادیث سے اس کی تخصیص ہو گئی۔

مطلق کی تقیید

جس طرح سنت قرآن کے عام کی تخصیص کرتی ہے اور اس صورت میں اس کا کتاب اللہ کے ساتھ گہرا تعلق و ربط ہے اسی طرح سنت کتاب اللہ کی اس طریق سے بھی وضاحت کرتی ہے کہ بعض دفعہ قرآن کی آیات کریمہ میں ایک حکم مطلق مذکور ہوتا ہے، تو اس صورت میں سنت آکر ان احکام کو مقید کر دیتی ہے۔ اس کی نظائر پیش کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم کرتے ہیں:[30]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا"[31] (اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو)۔

---

[27] النساء 24:4

[28] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب الشھادۃ علی الانساب، رقم الحدیث 2645

[29] مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المراۃ و عمتھا او خالتھا فی النکاح، رقم الحدیث 1408

[30] ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1411ھ، ج:2، ص:229

[31] المائدہ 38:5

اب قرآن کریم کا یہ حکم بالکل مطلق ہے کہ چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دو یہ کہیں مذکور نہیں کہ ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے اور کتنی مقدار چوری پر کاٹا جائے اور کن اشیا میں کاٹا جائے لیکن آپ ﷺ کے فرامین نے اس حکم کو مقید کر دیا۔ اس بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "لا قطع فی ثمر ولا کثر"[32] تو آپ ﷺ کے فرمان نے اس کو خاص کر دیا۔ پھر کتنی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے۔ تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تقطع الید فی ربع دینار فصاعدا[33] (کہ دینار کے چوتھے حصے کی مالیت اور اس سے زائد میں ہاتھ کاٹا جائے)۔ تو اس حدیث نے آکر مقدار کی تعیین کر دی۔ پھر ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے۔ تو اس کے بارے میں امام بخاری یہ روایت پیش کرتے ہیں: قطع علی من الکف[34] (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ گٹ سے کاٹا)۔ تو اس حدیث نے آکر اس بات کی بھی تعیین کر دی کہ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے۔

اب اگر صرف قرآنی آیت کو مد نظر رکھ کر حکم ربانی کو دیکھا جائے تو اس میں مطلق ذکر ہے کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دو، اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کہ کتنی مقدار پر کاٹا جائے، کہاں سے کاٹا جائے تو سنت نے آکر اس مطلق کو مقید کر دیا۔

بیت اللہ کا طواف

بیت اللہ کے طواف کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: "وَلْيَطوفوا بالْبيت العتيق۔"[35] (خانہ کعبہ کا طواف کرو)

اس آیت کریمہ میں طواف کرنے کا مطلق حکم مذکور ہے جبکہ سنت نے آکر اس کے ساتھ طہارت کی قید لگا دی۔ اس بارے میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں: أول شيء بدأ به حين قدم أنه توضأ، ثم طاف

[32] امام ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود، کتاب الحدود، باب ما لا قطع فیہ، رقم الحدیث 4388

[33] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب فی قول اللہ تعالی والسارق والسارقۃ، رقم الحدیث 6789

[34] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب قول اللہ تعالی والسارق والسارقۃ

[35] الحج 29:22

بالبیت[36](کہ جب آپ ﷺ طواف کے لیے تشریف لائے، تو پہلے آپ ﷺ نے وضو کیا پھر طواف کیا)۔ تو اس حدیث نے آکر قرآن کے مطلق کو طہارت کے ساتھ مقید کر دیا۔

وصیت کا مسئلہ

اسی طرح وصیت کے بارے میں حکم ربانی مطلق ہے:"من بعدِ وصية يوصٰى بها او دين[37] (کہ وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ورثہ تقسیم کیجئے)۔

اس آیت میں وصیت کا ذکر مطلقاً کیا گیا ہے کہ پہلے قرض کی ادائیگی کی جائے پھر اس کے بعد جتنی چاہے وصیت کی جائے لیکن حدیث نے آکر اس کے ساتھ یہ قید لگا دی کہ وصیت ثلث سے زیادہ نہ ہو۔ اس بارے میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اوص بالثلث والثلث كثير[38](ثلث کی وصیت کر لو یہ بہت زیادہ ہے)۔

اب قرآن کریم کے ان احکام پر نظر ڈالی جائے تو یہ اپنے سیاق وسباق ہر لحاظ سے مطلق نظر آتے ہیں۔ آیات قرآنیہ میں ان کے لیے کوئی بھی قید نظر نہیں آتی لیکن جب ہم انہیں فرامینِ رسول میں دیکھتے ہیں تو ان احکام کی مکمل وضاحت ہمارے سامنے آجاتی ہے اور کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

علامہ ابن قیمؒ نے کتاب اللہ کے عام کی سنت سے تخصیص اور اسی طرح کتاب اللہ کے مطلق کی سنت سے جو تقیید کی مثالیں ذکر کی ہیں اس سے سنت کا کتاب اللہ سے کتنا گہرا تعلق ہے، یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اگر سنت کا کتاب اللہ سے تعلق ختم کر دیا جائے تو نہ ہم حکمِ ربانی کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی صورت میں اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

خلاصہ بحث

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے آیات قرآنیہ کے مجمل کی تفصیل کے سنت سے نظائر پیش کر کے اور مطلق کی تقیید کی احادیث سے مثالیں پیش کر کے اس بات کو مضبوط دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن وسنت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، یہ ایک ہی نور کی دو کڑیاں ہیں اور ایک ہی مالا کی دو لڑیاں ہیں؛ لہٰذا اس اعتبار سے ہم کبھی بھی

[36] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الطواف علی وضوء، رقم الحدیث 1631

[37] النساء 4:13

[38] الطیالسی، ابوداود، سلمان بن داود، مسند ابی داود، احادیث سعد بن ابی وقاص، رقم الحدیث 191، دار ہجر، مصر الطبعۃ، الأولی، 1419ھ-1999م

سنت کی تردید نہیں کرسکتے اور نہ اس پر عمل کرنے کو ترک کرسکتے ہیں؛اس لیے کہ ان احادیث پر عمل کو ترک کرنا گویا کہ قرآن کریم پر عمل کرنے کو ترک کرنا ہے کیونکہ یہ احادیث آکر قرآن کے احکام کی ہی توضیح وتشریح کرتی ہیں ان کے اجمال کی ہی تفصیل کی کرتی ہیں اور ان کے اطلاق کی ہی تقیید کرتی ہیں۔

کتاب وسنت کے باہمی تعلق وربط میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کا مؤقف کچھ یوں ہے۔

☆ کتاب وسنت کا کسی بھی صورت میں آپس میں تعارض نہیں ہوسکتا۔

☆ سنت تین طریق پر کتاب اللہ سے معلق ہے؛آیات قرآنی کی موید، آیات قرآنی کی تشریح کرنے والی اور قرآن جن چیزوں کے بارے خاموش ہے، کبھی بھی کتاب اللہ کا تعلق سنت سے ان تین اقسام سے جدا نہیں ہوتا۔

☆ امام ابن قیم کے ہاں بھی خبر واحد سے قرآن کی تخصیص درست ہے۔

سفارشات

کتاب اللہ اور سنت رسول شریعت اسلامی کے بنیادی ماخذ ہیں؛اس لیے ان کے درمیان باہمی تعلق کیا ہے ؟یہ بحث فقہ کا ایک اہم حصہ ہے اور فقہ کی ہر اہم کتاب میں یہ موجود ہے۔اس آرٹیکل میں "کتاب وسنت کے باہمی تعلق" پر امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نقطہ ءنگاہ کو بیان کیا گیا ہے۔اس موضوع پر کئی شخصیات کے نقطہ ءنگاہ کے حوالہ سے مزید تحقیقی کام کیا جاسکتا ہے جن میں چند ایک یہ ہیں:

- کتاب وسنت کا باہمی تعلق:احناف کا نقطہ ءنگاہ
- کتاب وسنت کا باہمی تعلق:امام شافعی کا نقطہ ءنگاہ
- کتاب وسنت کا باہمی تعلق:امام شاطبی کا نقطہ ءنگاہ
- کتاب وسنت کا باہمی تعلق:امام طحاوی کا نقطہ ءنگاہ
- کتاب وسنت کا باہمی تعلق:ابن حزم ظاہری کا نقطہ ءنگاہ
- کتاب وسنت کا باہمی تعلق:شاہ ولی اللہ کا نقطہ ءنگاہ